ہوس نہ ہوئی کیونکہ اُن میں غریبوں کی غربت کا احساس تھا ایک مرتبہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جس سے جس قدر ہو سکے چندہ دے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال دیدیا اور حضرت عثمان غنیؓ نے تقریباً تین سو اونٹ اور بہت زیادہ تعداد میں اشرفیاں اور جواہرات دیئے اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال فی سبیل اللہ دیدیا۔ صحابیات رضی اللہ عنہا نے اپنے اپنے زیورات سے غزوہ میں مدد کی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک مہمان آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اُس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ نبی پاک نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر کوئی اس کی مہمان نوازی کرے تو اس کا بہت بڑا اجر ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اس کو اپنے گھر لے گئے اور ان کی مہمان نوازی اس طرح کی کہ خود اور ان کے بال بچے بھوکے رہ گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا میں ہمیشہ باعزت و باکمال رہے اور قیامت کے دن بھی سرداریت کے سنہرے تاجوں سے سنوارے جائیں گے۔

تیسری آیت ملاحظہ ہو جس میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتلا دیا ہے کہ سخی کے واسطے بہت بڑا اجر ہے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (بقرہ ع ۳۸) جو لوگ اپنے مالوں کو پوشیدگی میں یا کھلم کھلا خرچ کرتے رہتے ہیں اُن کیلئے بڑا اجر ہے ان کے رب کے نزدیک اور نہ تو ان پر خوف و ہراس ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، حدیث شریف میں وارد ہے اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ (ترمذی) سخی اللہ سے بھی اور جنت سے بھی اور لوگوں سے بھی قریب ہے اور جہنم سے دور ہے اور بخیل اللہ سے بھی دور جنت سے بھی دور اور لوگوں سے بھی دور رہے ہاں جہنم سے قریب ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (پ ۲۶ ع ۱۸) یعنی متقیوں (مومنوں) کے مال میں مانگنے والے غریبوں اور (شرم و حیا کی وجہ سے) نہ مانگنے والے محتاجوں دونوں کا حق ہے۔ پس ہمیں غریبوں کے حقوق کا خیال کر کے اپنی مالوں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہ کرنا چاہئے

تصویر کا دوسرا رخ

(از مدیر)

ہماری غلط روش اور اس کا نتیجہ

مذکورہ بالا مضمون میں تصویر کا صرف ایک رخ دکھلایا گیا ہے اور آجکل ہمارے واعظین اور مولوی صاحبان کا یہی دستور ہے یعنی وہ بخل کی مذمت، سخاوت کی تعریف اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے فضائل کا ذکر تو زور شور کے ساتھ

کریں گے۔ وہ ایسی تمام آیتیں اور حدیثیں تو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنائیں گے جن میں خرچ کرنے کی ترغیب، اور نہ خرچ کرنیوالوں کی برائیاں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتائیں گے کہ خرچ کن پر کیا جائے۔ صدقہ خیرات کے مستحق کون لوگ ہیں۔ کن لوگوں کیلئے صدقہ کھانا حلال ہے اور کن لوگوں کیلئے حرام۔ کس قسم کے لوگ ہیں جن کے سوال کو رد کرنے سے خدا کے یہاں پکڑ ہوگی، اور کون سے ایسے سائلین ہیں جن کے سوال کو رد کرنا ہی بہتر کیا ہے اور اس قسم کے دوسرے ضروری سوالات کے صحیح جوابات سے مسلمان بالعموم ناواقف ہیں، وہ صرف خرچ کرنے کی فضیلتیں سنتے اور جانتے ہیں۔ اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا اور ہوا کہ ایک طرف اگر مسلمانوں میں خرچ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا تو دوسری طرف ان میں بہت سے ایسے نفس پرور، لالچی، بے غیرت اور پیٹ کے بندے پیدا ہوگئے جنھوں نے بھیک مانگنا اور لوگوں سے سوال کر کے پیسے کمانا ہی اپنا پیشہ بنالیا۔ جو بھوک اور فاقوں سے تنگ آکر تنگدستی اور احتیاج سے مجبور ہو کر سوال نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ یہی ان کی کمائی ہے نئی نئی تدبیریں، نئے نئے ڈھنگ۔ قسم قسم کے بہانے بنا بنا کر لوگوں سے رقمیں وصول کی جاتی ہیں۔ کوئی کسی مسجد یا مدرسے کے نام پر جھوٹی رسیدیں چھپوا لیتا ہے کوئی اپنے آپ کو مقروض بتاتا ہے، کوئی مسافر بنا پھرتا ہے۔ کوئی طالب علم بنتا ہے کوئی نو مسلم بنکر اپنے دکھ درد کی داستان سناتا ہے۔ دہلی میں ہیں نے ایک صاحب کو کئی سال تک یہ حرکت کرتے دیکھا کہ وہ مختلف راستوں پر مسافر کی صورت میں کھڑے ہو جاتے کبھی کبھی ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی برقعہ پہنے کھڑی رہتیں اور وہ لوگوں سے نہایت عاجزی اور مجبوری کے لہجے میں فرماتے کہ میں فلاں جگہ سے بال بچوں سمیت آرہا تھا کہ ریل گاڑی میں میرا سامان چوری ہوگیا۔ اب میں فلاں جگہ جانا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اگر آپ میرے کرایہ کا بندوبست کردیں تو بڑی عنایت ہوگی —— اتفاق سے یہی صاحب ایک دن ہمارے مدرسہ میں بھی پہنچ گئے۔ میں سبق پڑھا رہا تھا کہ اسی حالت میں میری درسگاہ میں پہنچے اور یہی داستان دہرائی۔ میں نے کہا حضرت! کبھی آپ کا کرایہ پورا بھی ہوگا؟ میں تو آپ کو تقریباً پانچ سال سے دہلی میں یہی سوانگ رچاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ بس یہ سنتے ہی ان کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اور فوراً کچھ بڑبڑاتے ہوئے مدرسہ سے بھاگے۔

میں وطن میں تھا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب ہمارے گاؤں میں تشریف لائے۔ اتفاق سے جمعہ کا دن تھا آپ نے جمعہ کے بعد مصلیوں کو روک کر صدقہ خیرات کی فضیلت میں کچھ وعظ بھی سنایا۔ اس کے بعد اپنی "حاجت" یہ پیش کی کہ میری لڑکی کی رخصتی ہونے والی ہے۔ لیکن میرے پاس اس کے جہیز کا کوئی سامان نہیں ہے۔ آپ لوگ میری امداد کیجئے۔ میں نے ان کو اس پر ٹوکا کہ جناب یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے۔ اس کیلئے آپ کو سوال کرنا جائز نہیں۔ ظاہر ہے کہ مجھ پر ان کو غصہ آنا ہی تھا۔ چنانچہ وہ خفا ہو کر وہاں سے چلے گئے اور مجھے بہت کچھ سنا گئے۔

یہ تو ان کے ڈھنگ ہیں جو بظاہر نیک صورت، مہذب، سنجیدہ اور بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ایک گروہ اور ہے جو گلی در گلی صدائیں سناتا ہے۔ قسم قسم کی بولیاں بولتا ہے۔ کشکول اور جھولیاں ہاتھ میں لئے ہوئے دروازے دروازے گھومتا پھرتا ہے حالانکہ ان میں بہت سے ایسے موٹے تازے، تندرست و توانا ہوتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو محنت و مزدوری کر کے اپنی معاش پیدا کر سکتے ہیں۔ بعض ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اچھے خاصے کاشتکار ہوتے ہیں۔ ان کے گھروں میں کافی غلہ پیدا ہوتا ہے۔ انھیں سوال کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ مفت کی آمدنی کی چاٹ منہ کو ایسی لگ جاتی ہے کہ ع چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔

رمضان شریف میں ہمارے یہاں ایک "شاہ صاحب" آتے ہیں۔ جن کو "قصۂ ماہِ رمضان" زبانی یاد ہے (یہ نظموں کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے، جس میں ماہِ رمضان اور روزوں کی فضیلت میں بہت سی جھوٹی، غلط اور بے سروپا باتیں لکھی ہوئی ہیں) شاہ صاحب مذکور اس کو پہلے تو چند دنوں تک بغیر کچھ لئے ہوئے محلے در محلے، کوچہ بکوچہ گھوم گھوم کر لوگوں کو نہایت بلند آواز سے سناتے پھرتے ہیں۔ پھر اخیر میں "وصولی" شروع کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے سال کا واقعہ ہے کہ میں نے ان سے کہا کہ شاہ صاحب! سنا ہے کہ آپ کے گھر کھیتی باڑی بھی ہوتی ہے تو نہایت جوش اور تمکنت کے ساتھ فرمانے لگے کہ "ہاں صاحب اللہ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ میں اس کی ناشکری نہیں کروں گا، ابھی تو اسی سال میں من دھان پیدا ہوا تھا۔ میں سال بھر کہیں نہیں جاتا، صرف رمضان شریف میں ایک مرتبہ آپ لوگوں کی طرف آجاتا ہوں" میں نے کہا کہ حضرت! اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہوگی کہ اتنا کافی غلہ پیدا ہو جانے کے باوجود آپ در بدر مانگتے پھرتے ہیں۔

انتہا یہ ہے کہ مسلمانوں میں "فقیروں" کی ایک ذات ہی پیدا ہو گئی ہے جو باوجود غنی ہونے کے بھی اپنے لئے صدقہ خیرات کھانا حلال اور جائز سمجھتی ہے جن کا خیال یہ ہے کہ ان کا آبائی پیشہ ہی یہ ہے کہ وہ بھیک مانگ کر اپنی گذر کریں حالانکہ یہ سراسر جہالت . . . . . اور شرعی احکام سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

ہر سائل کا سوال پورا کرنا ضروری نہیں

کون کہہ سکتا ہے کہ ان مکار فقیروں پیشہ ور سائلوں بے ضرورت مانگنے والوں، بلا احتیاج ہاتھ پھیلانے والوں، موٹے تازے ہر طرح سے تندرست و توانا نفس پرور گداگروں کے سوال کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ بھی ان فقیروں اور محتاجوں، غریبوں اور بے کسوں میں داخل ہیں جن کی امداد کرنا مالداروں پر فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ تَرُدُّہُ التَّمْرَۃُ وَالتَّمْرَتَانِ وَالْاُکْلَۃُ وَالْاُکْلَتَانِ وَلٰکِنَّ الْمِسْکِیْنَ الَّذِیْ لَا یَسْئَلُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلَا یَفْطِنُوْنَ بِہٖ فَیُعْطُوْنَہٗ (ابوداود) یعنی وہ شخص غریب اور مسکین نہیں ہے جو گھوم گھوم کر لوگوں سے ایک ایک دو دو لقمہ مانگ مانگ (جمع کرتا رہتا ہے) بلکہ حقیقی اور کامل مسکین جو لوگوں کی امداد کا مستحق ہے وہ، وہ غیر تمند اور باحیا آدمی ہے جو باوجود محتاج اور تنگدست ہونے کے بھی لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور اس کی اس عفت اور حیاداری کی وجہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ضرور تمندی نہیں ہے اسلئے اس کو دیتے بھی نہیں۔"

مدینہ منورہ کا ایک نادار مسلمان خدمت نبوی میں آکر کچھ سوال کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پوچھتے ہیں آمَا فِی بَیْتِکَ شَیْئٌ کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟ اس نے کہا ایک معمولی سا کمبل ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں۔ اور پانی پینے کا ایک پیالہ (بس یہی دو چیزیں میرے گھر میں ہیں) حضورؐ نے فرمایا اِئْتِنِی بِھِمَا جاؤ ان دونوں چیزوں کو میرے پاس لے آؤ۔ اس نے دونوں چیزیں لاکر حضور کی خدمت میں پیش کردیں آپ نے اپنے ہاتھ میں لیکر ان دونوں کا نیلام کیا۔ ایک شخص نے دو درہم (تقریباً ۸) دام لگائے۔ آپ نے یہ دونوں چیزیں اس کو دیدیں۔ اور اس سے دو درہم لیکر اس کمبل والے سائل کو دیدیئے اور فرمایا کہ لیجاؤ ایک درہم کا اناج خرید کر گھر میں دے آؤ اور ایک درہم کی ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کلہاڑی میں حضورؐ نے خود اپنے ہاتھ سے لکڑی (دستہ یا بینٹ) لگادیا اور فرمایا کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لاکر بیچو۔ پندرہ روز تک میرے پاس نہ آنا۔ دو ہفتے تک برابر وہ یہی کام کرتا رہا۔ اتنے دنوں میں اس نے دس درہم کمالئے۔ اس سے کچھ کپڑا اور کچھ غلہ خریدا۔ پھر بارگاہ نبوی میں آکر اپنا حال بیان کیا تو جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ یہ حلال کمائی تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت کے دن اپنے چہرے پر سوال کی ذلت اور رسوائی کا داغ لیکر خدا کے سامنے پیش ہوتے۔" (ابن ماجہ)

ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے کہ سائل کے افلاس اور تنگدستی کا یہ عالم ہے کہ گھر میں ایک معمولی کمبل اور ایک پیالے کے سوا کچھ نہیں ہے جس کی کل قیمت صرف دو درہم ہوتی ہے۔ (اور اس حالت میں یقیناً اس کے لئے صدقہ کھانا بھی حلال اور سوال کرنا بھی جائز تھا) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوال کو پورا نہیں کرتے بلکہ اس کے گھر کا سامان نیلام کرکے اس کو اپنی محنت و مشقت سے کمانے کی ترکیب بتلاتے ہیں۔ اسے تعلیم دیتے ہیں کہ بھیک مانگنے کا طریقہ چھوڑ کر اپنی معاش کا ذریعہ پیدا کرو۔ اگر کچھ نہیں ہوسکتا تو جنگل سے لکڑیاں اپنی پیٹھ پر لاد کر لاؤ اور بیچو۔ لیکن حتی الامکان سوال مت کرو ——— خدا کے لئے بتاؤ کہ کیا آجکل کے پیشہ ور سائلین بھی سوال کرنے کیلئے اسی وقت نکلتے ہیں جبکہ ان کے گھروں میں صرف ایک کمبل اور ایک پیالہ باقی رہ جاتا ہے؟ اگر نہیں ——— اور یقیناً نہیں ——— تو پھر ان بے غیرت نفس پروروں اور بے حیا پیٹ کے بندوں پر خرچ کرنے کیلئے مسلمانوں کو سخاوت کی تعلیم کیوں دیتے ہو؟ کیوں کہا جاتا ہے کہ سائل کو کبھی نامراد واپس نہیں کرنا چاہئے بلکہ کچھ نہ کچھ ضرور دیدینا چاہئے۔ میں کہونگا کہ آج مسلمانوں میں گداگری کی لعنت کے اس قدر عام ہوجانے کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ ہم ہر سائل کو کچھ نہ کچھ دینے کی کوشش کرتے ہیں خواہ وہ مستحق ہو یا نہ ہو۔ اسکی وجہ ان کی ہمتیں بڑھ گئیں ان کے حوصلے کھل گئے، ان کی طبیعتوں سے جھجک اور شرم جاتی رہی۔ ان کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کوئی عار اور غیرت محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ اس طرح لڑ جھگڑ کر وصول کرتے ہیں جیسے کوئی قرضے کا تقاضا کرتا ہو۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے سامنے ایک شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں آکر سوال کرتا ہے مگر آپ اس کے سوال کی طرف توجہ کرنے کے بجائے اس کو محنت کرکے کمانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک

دوسرا واقعہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو قوی اور مضبوط آدمیوں نے آکر اس مال میں سے کچھ سوال کیا۔ آپ نے نگاہ اٹھا کر ان دونوں کو نیچے سے اوپر تک غور سے دیکھا اور پھر غصے کے لہجے میں ڈانٹ کر فرمایا ان شئتما اعطیتکما و لاحظ فیہا لغنی ولا لقوی مکتسب (ابوداؤد) یعنی غنی اور تم جیسے تندرست و توانا آدمیوں کا جو اپنی ضرورت کے مطابق اپنی روزی آپ کما سکتے ہوں، اس مال زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں ہے۔ یہ مال تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔ اگر (یہ ناجائز مال) تم لینا چاہو تو میں دیدوں مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں نہیں دونگا اسلئے کہ تم اس کے مستحق نہیں ہو۔ اگرچہ بعض ائمہ نے ایسے شخص کو زکوٰۃ لینے کی اجازت دی ہے، لیکن سوال کرنا ان کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ یعنی جو شخص اپنی روزی کمانے کی قدرت رکھتا ہے اس کے لئے سوال کرنا باتفاق علماء حرام ہے (الا فی بعض الصور المخصوصہ) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپ نے ان دونوں سائلوں کے سوال کو رد کردیا۔

زیاد بن حارث صدائی نے اسلام قبول کیا، اور غنی ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کا مال طلب کیا (کیونکہ ان کو مسئلہ نہیں معلوم تھا) تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (سورہ توبہ ع ۸ میں) زکوٰۃ کے مصارف کو خود ہی بیان کردیا ہے اگر ان آٹھ مصارف میں سے تم ہو تو میں تمہارا حق دینے کو تیار ہوں (لیکن تم ان میں سے کسی میں داخل نہیں ہو اس لئے تم کو اس مال میں سے کچھ نہیں ملیگا) پھر زیاد بن حارث کو افسوس ہوا۔ اور وہ شرمندہ ہوئے کہ انھوں نے باوجود غنی ہونے کے صدقہ کا سوال یوں کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے حضورؐ سے اپنی اس غلطی کی معافی چاہی (دیکھو بذل المجہود ص۱۲ ج ۳) یہاں بھی آپ نے سائل کے غیر مستحق ہونے کی بنا پر اس کے سوال کو رد کردیا۔

ایک شخص ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو میدان عرفات میں لوگوں سے سوال کرتا پھرتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر درے مارے۔ اور فرمایا کہ (او بدنصیب!) تو ایسے مبارک دن اور ایسی مبارک جگہ میں ہوتے ہوئے بھی اللہ کو چھوڑ کر انسانوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے؟ (مشکوٰۃ ص۱۵۵ ج ۱)

دیکھو! نہ صرف یہ کہ حضرت علیؓ نے سائل کے سوال ہی کو رد کردیا ہو، بلکہ اس کے بے موقع سوال پر اسے دُرّے بھی مارے۔ کاش آج بھی کوئی ایسا ہی باغیرت مسلمان حاکم ہوتا جو ان بے قاعدہ سوال کرنیوالوں کی دُرّوں سے خبر لیتا۔ اور اس پیشہ ورانہ گداگری کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیتا۔

موجودہ گداگری کے انسداد کی ضرورت اور اس کا طریقہ

احادیث مذکورہ بالا سے یہ بات بالکل صاف طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ غیر حقدار سائلوں، بے ضرورت مانگنے والوں، جوان اور تنومند گداگروں کے سوال کو رد کردینا چاہئے۔ بس میرا مقصود بھی یہی ہے کہ جس طرح مالداروں کو خرچ کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جہاں ہم اپنے وعظوں میں صدقہ خیرات کے فضائل سنا کر ان کو انفاق فی سبیل اللہ پر آمادہ کرتے ہیں وہاں اب حالات کا اقتضاء یہ ہے کہ اس سے زیادہ شدت کے ساتھ موجودہ گداگری کے خلاف آواز اٹھائی جائے

حدیثوں میں سوال کی مذمت اور سائلوں کے حق میں جو وعیدیں وارد ہیں انھیں وضاحت کے ساتھ لوگوں کے ذہن نشین کیا جائے۔ تاکہ یہ مال غیر حق داروں سے بچا کر اس کے سچے اور صحیح مستحقوں تک پہنچایا جاسکے۔ اب تو حالت یہ ہے کہ رمضان شریف میں ان لالچی اور بے غیرت سائلوں کا لشکر اٹھتا ہے اور ملک میں اس سرے سے اس سرے تک پھیل جاتا ہے اور کھوج کھوج کر پتہ لگاتا ہے کہ اس شہر یا گاؤں میں کون "سیٹھ صاحب" یا "حاجی صاحب" ایسے ہیں جن کے ہاں زکوٰۃ بٹتی ہے جہاں ذرا سن گن ملی کہ ہلّہ بولکر ان پر چڑھائی کر دیتے ہیں اور اس طرح لپٹتے ہیں کہ بیچارے "سیٹھ صاحب" اور "حاجی صاحب" کی جان آفت میں آجاتی ہے۔ لیکن ادہر اپنے قریبی رشتے دار، محلے کے محتاج، گاؤں کے مفلس اور بے نوا فاقوں پر فاقے کرتے ہیں۔ ان کے بچے بھوک سے بیتاب اور نڈھال ہو رہے ہیں مگر وہ شرم و حیا کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتے اس لئے یا تو بالکل ہی محروم رہتے ہیں یا اگر کچھ پاتے ہیں تو بہت ہی قلیل۔ کیونکہ اکثر حصہ تو یہ ظالم چھین کر لیجاتے ہیں۔

میرے نزدیک اس وقت اس فتنے کو روکنے کی سخت ضرورت ہے اور اس کی نہایت آسان اور موثر صورت یہ ہے کہ ہر جگہ کے مالدار اپنی زکوٰۃ کا مال سب سے پہلے اپنے ان محتاج رشتہ داروں کو دیں جن کی کفالت ان پر فرض نہیں ہے۔ اس کے بعد اپنے محلے اور گاؤں یا شہر کے فقراء و مساکین کا پتہ لگائیں اور ان کو ان کا حق پہنچائیں۔ اس کے بعد باہر کے ان غریبوں کو دیں جن کے متعلق پورا اطمینان ہوجائے کہ یہ واقعی ضرورتمند اور تنگدست ہیں۔ الغرض تحقیق و جستجو کے بعد صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی کوشش کی جائے۔ مگر ان نااہلوں کو جنھوں نے سوال کو پیشہ بنا لیا ہے۔ جو مستغنی اور جوان ہوتے ہوئے بھی مانگتے پھرتے ہیں۔ جو بھانت بھانت کی بولیاں اور قسم قسم کی صدائیں سنا سنا کر دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہرگز ایک پیسہ نہ دیا جائے۔ جب دو چار مرتبہ ان کو ناکامی ہوگی اور ان کو محسوس ہوجائیگا کہ اب لوگ ان کے فریب سے واقف ہوگئے ہیں تو خود ہی اس طریقے کو چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں گے ——— اور اگر بالفرض وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے (جیسا کہ ان کی پست ذہنیت اور ذلیل طبیعت سے امید ہے) تو نہ آئیں۔ مگر کم از کم آپ تو اپنے پیسے کو اس ناجائز مصرف میں صرف ہونے سے بچا لینگے۔ اور اس گناہ کے کام میں شریک ہوکر گنہگار ہونے سے بچ جائیں گے۔

ہاں ایک حدیث میں ہے کہ "سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر آئے" اس کا مفصل جواب انشاء اللہ "محدث" کے آئندہ نمبر میں شائع ہوگا۔ انتظار کیجئے۔

(مدیر)